© rasailojaraid.com

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اشارات

مغرب کی تہذیبی یلغار اور اس کے سیاسی تسلط کے بعد دنیائے اسلام میں جو خوفناک بگاڑ پیدا ہوا ہے اس کا اگر جائزہ لیا جائے تو معلوم ہو گا کہ اس بگاڑ کو فاسد خیالات کے چار فتنوں نے جنم دیا ہے جن میں سے سب سے اہم مذہب اور سیاست کی علیحدگی کا مذموم تصور ہے جسے عوام کے ذہنوں میں بڑی ہنرمندی اور چابکدستی کے ساتھ بٹھا یا گیا ہے۔ انہیں یہ باور کرانے کی کوشش کی گئی ہے کہ مذہب ایک مقدس اور پاکیزہ چیز ہے اور سیاست شیطان کا کھیل ہے لہذا پاکیزگی کا تحفظ شیطنیت کو اس سے دور رکھنے ہی سے ہو سکتا ہے۔ اس لیے جو فرد یا گروہ ان دونوں کو ایک دوسرے کے قریب لاتا ہے وہ مذہب جیسی مقدس شے کی شیطان کے ہاتھوں تذلیل کرواتا ہے۔ لہذا اس آسمان کے نیچے اس سے بڑا ظالم اور سفاک اور نیکی اور بھلائی کا دشمن کون ہو سکتا ہے جو ایک پاک اور مقدس شے کو شیطان کی تحویل میں دینے کی کوشش کرے۔ چنانچہ اگر کوئی شخص مذہب کے ساتھ سچی محبت رکھتا ہے اور خدا کی رضا کا اخلاص کے ساتھ طالب ہے اور آخرت میں دل کی گہرائیوں کے ساتھ سرخروئی کا خواہاں ہے تو اس کا فرض ہے کہ خود کو اور مذہب کو سیاست کی پرچھائیں سے پوری قوت کے ساتھ بچائے۔ اہل مغرب کا یہ جادو اپنے نتائج کے اعتبار سے اتنا ہمہ گیر اور مؤثر ثابت ہوا ہے کہ ملت اسلامیہ کے ایک نہایت ہی محدود سے طبقے کو چھوڑ کر اہل علم اور ارباب تصوف کی ایک کثیر تعداد نے مذہب اور سیاست کی دوئی کے فلسفے کو پوری طرح اپنا لیا اور سیاسی معاملات سے اس طرح تنفر اور دوری اختیار کی جس طرح کہ کسی صریح حرام چیز سے اختیار کی جاتی ہے۔

مسلمانوں کے جن طبقوں نے مذہب اور سیاست کی جدائی کے نظریہ کو قبول کیا اُن میں یقیناً حاملین دین کا ایک نہایت مخلص طبقہ بھی تھا۔ ان حضرات نے مغربی سیاست کی چالبازیوں اور عیاریوں کو دیکھتے ہوئے اسلام کے تحفظ کے لیے یہی بہتر سمجھا کہ سیاسی مسائل سے پوری طرح کنارہ کشی اختیار کر کے ساری قوتیں اور

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

صلاحیتیں اسلامی تعلیمات کو فروغ دینے میں صرف کی جائیں لیکن اس ایک مخلص طبقے کے علاوہ جن مغرب پسند مسلمانوں نے یورپی اقوام کی پیروی میں مذہب کو سیاست سے جدا رکھنے پر زور دیا اور عامۃ الناس میں یہ مذموم خیال راسخ کرنے کی کوشش کی کہ امت مسلمہ کی بگڑی بنانے کی واحد صورت یہ ہے کہ ایک محدود سے مذہبی دائرے میں تو اسلام کی پیروی کی جائے اور زندگی کے باقی شعبوں میں اُن افکار و نظریات کو اپنایا جائے جو حاکم قوم کی طرف سے اُن پر ٹھونسیں جا رہے ہیں، اُن کی نیت بخیر نہ تھی کیونکہ وہ سادگی کی بنا پر مسلمانوں کو یہ طرزِ عمل اختیار کرنے کا مشورہ نہ دے رہے تھے بلکہ دین اور سیاست کے مابین افتراق کے سارے مضمرات کو اچھی طرح جانتے ہوئے اس غیر اسلامی تصور کا پرچار کر رہے تھے۔ اُن کا مقصد بالکل وہی تھا جو اس معاملے میں اہل یورپ کا تھا۔ وہ مذہب اور سیاست کو ایک دوسرے سے اس بنا پر الگ نہیں رکھنا چاہتے تھے کہ اُن کے خیال میں ان دونوں کی ایک دوسرے سے قربت مذہب کی تقدیس کو مجروح کرنے کا باعث ہو سکتی ہے بلکہ ان کا مقصد یہ تھا کہ جس طرح مغربی قوموں نے مذہب کی جکڑ بندیوں کو ختم کر کے پوری زندگی کی عمارت الحاد پر تعمیر کی ہے بالکل اسی طرح مسلمان بھی حلال و حرام اور جائز و ناجائز کے چکروں سے نکل کر اپنی اجتماعی زندگی کو اقوام یورپ کی متابعت میں خالص الحاد کی بنیاد پر استوار کریں اور نہ صرف سیاست بلکہ معیشت، معاشرت اور قانون کے دائروں سے مذہب کا عمل دخل بالکل ختم کر دیں۔ پہلے گروہ کے نزدیک اگر مذہب اور سیاست میں جدائی کا محرک مذہب کے تقدس کا تحفظ تھا تو دوسرے کی غرض و غایت بجز اس کے اور کوئی نہ تھی کہ اسلام کو بھی زندگی کے اجتماعی معاملات میں اتنا غیر مؤثر اور بیکار بنا دیا جائے جس قدر کہ اہل یورپ نے عیسائیت کو بنایا ہے۔

نیتوں کے اس اختلاف کی وجہ سے دونوں طبقوں کے طرزِ عمل میں بھی وسیع اختلاف پایا جاتا ہے۔ پہلے طبقے نے مذہب کو سیاست سے تو جدا رکھا لیکن وہ ہمیشہ اس بات کے لیے کوشاں رہا کہ مذہب کے حقیقی خدوخال میں قطعاً کوئی تبدیلی نہ پیدا ہونے پائے اور اسلام گو سیاسی میدان میں نہ سہی لیکن معاشی، معاشرتی اور عائلی دائروں میں مسلم قوم کا رہنما ہو اور مسلمان اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ گہری محبت اور عقیدت پیدا کرنے کے علاوہ اپنی سیرت و اخلاق، اپنے کاروبار اور معاشرتی طرزِ عمل میں اسلام کے سچے نمونے ثابت ہوں۔ ان حضرات کی کاوشوں کا اگر جائزہ لیا جائے تو معلوم ہوگا کہ ان کی جدوجہد کا مقصود یہ تھا کہ اسلام کو مغرب

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کی دستبرد سے جس حد تک بچایا جا سکتا ہو، بچانے کی کوشش کی جائے۔ لیکن مسلمانوں کا مغرب پرست طبقہ ہمیشہ اس بات کے لیے کوشاں رہا کہ اسلام کے دائرہ اثر کو جس حد تک محدود کیا جا سکے، محدود کیا جائے اور جہاں اُسے مزید محدود کرنا ممکن نہ ہو وہاں اس کی تعلیمات کو اس طرح مسخ کر دیا جائے کہ اُن کے اور مغربی افکار و تصورات کے مابین کوئی امتیاز باقی نہ رہے اور اسلامی قدار مادی اقدار کی بھونڈی نقالی معلوم ہوں جن سے مسلمان آہستہ آہستہ متنفر ہو کر مغربی تہذیب کے شیدائی بن جائیں۔ جب ایک شخص کے پاس اصلی چیز موجود ہو تو اُسے نقل سے آخر کیا دلچسپی ہو سکتی ہے۔ اسلام کو اگر مغربی تہذیب کا چربہ ہی بننا ہے تو آخر مسلمان اس سے کیوں چمٹے رہیں؟ کیوں نہ وہ اُس اصل کو اپنانے کی کوشش کریں جس کا اسلام کے یہ نادان دوست دینی مواد سے چربہ تیار کرنے کے درپے ہیں؟

تاریخ کے اوراق پر نظر دوڑائیے تو آپ پر یہ حقیقت پوری طرح منکشف ہو جائے گی کہ الہامی مذاہب کو سب سے زیادہ نقصان "روحانیت" کے ان بہی خواہوں کے ہاتھوں پہنچا ہے جنہوں نے ان کی تعلیمات کو موڑ توڑ کر وقت کے غالب افکار و رجحانات کے ساتھ ہم آہنگ کرنے کی کوشش کی۔ اُنہوں نے اپنی طرف سے اسے مذہب کی بہت بڑی خدمت خیال کیا مگر دنیائے عمل میں یہ اُس کے خلاف ایک خوفناک سازش ثابت ہوئی اور اُن کے اس "عمل جراحی" سے دین نہایت قلیل مدت میں بے جان ہو کر رہ گیا۔ چنانچہ دیکھیے کہ دنیا میں "اصلاحِ مذہب" کے نام پر دین میں ترمیم و تنسیخ کی جتنی تحریکیں بھی اُٹھی ہیں اِن سے مذہب کو تو کبھی کوئی فائدہ نہیں پہنچا البتہ ان تحریکات کے جلو میں الحاد اور دہریت کو غیر معمولی فروغ حاصل ہوا۔ اس کی وجہ بھی ظاہر ہے۔ آپ اگر کسی مذہب کے متبعین کو یہ تاثر دیں کہ ان کا مذہب وقت کے تقاضوں سے اچھی طرح عہدہ برآ نہیں ہو سکتا اور اس میں حک و اضافہ کی ضرورت ہے تو پھر ہوشمند انسان لازمی طور پر اُس معیاری نظام کی طرف دیکھے گا جس کے معیار کے پیشِ نظر اس کا مذہب ناقص قرار پایا ہے۔ جب اُس کے پاس ایک صحیح اور مکمل نظام موجود ہو تو اُسے آخر اس بات کی کیا ضرورت پڑی ہے کہ وہ ایک ناقص نظام کے بعض حصّوں میں پیوندکاری اور بعض حصوں کی تراش خراش کر کے اسے معیاری نظام کے مطابق ڈھالنے کی کوشش کرے۔ کیا اس کے لیے صحیح اور معقول راستہ یہ نہیں کہ وہ اس کارِ از رفتہ اور بیکار نظام کو چھوڑ کر اس احسن اور اکمل نظام کو سینے سے لگائے جس کے موجود ہونے کی وجہ سے دوسرے نظامہائے حیات کے نقائص اُبھر کر سامنے آتے ہیں۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ہمارے نزدیک ملت اسلامیہ کے لیے یہ ایک عظیم المیہ ہے کہ اس دَور میں جسے مادی تہذیب کے غلبے کا دور کہا جاتا ہے، مذہب اور سیاست کی علیحدگی کا پرچار کرنے میں وہ طبقہ پیش پیش رہا ہے جو اسلام کو عصر حاضر یا دوسرے لفظوں میں تہذیب حاضر کے سانچوں میں ڈھالنے پر مصر ہے اور اسے دین اور ملت اسلامیہ پر بہت بڑا احسان سمجھتا ہے، درآنحالیکہ دین حق کو جس قدر نقصان اس طبقے نے پہنچایا ہے اس کا تصور نہیں کیا جا سکتا۔ یہ اس طبقے کی مذموم کوششوں کا نتیجہ ہے کہ نہ صرف سیاست مذہب کے دائرہ عمل سے خارج ہو گئی ہے بلکہ معیشت، معاشرت، تہذیب و ثقافت، قانون و انصاف اور تعلیم و تربیت کے سارے شعبوں سے اسلام اس طرح بے دخل ہوا ہے جیسے کہ اسلامی تعلیمات کا اُن میں سے کسی ایک کے ساتھ بھی کوئی سروکار نہ تھا۔ مسلمانوں کی اجتماعی زندگی سے اسلام کی بے دخلی کا اگر یہی عالم اور رفتار رہی تو وہ دن دُور نہیں کہ وہ دینِ حق جو تمام ادیان پر غالب اور فتحیاب ہونے کے لیے آیا ہے وہ محض ایک قصہ پارینہ بن کر رہ جائے اور مسلمان اپنی انفرادی زندگی کے محدود سے دائرے میں بھی یا تو اس پر عمل پیرا ہونے کی آرزو سے خالی ہو جائیں اور اگر وہ آرزومند بھی ہوں تو ان کی راہ میں اس قدر موانع حائل ہو جائیں کہ اُن کی یہ آرزو، آرزو ہی رہے، شرمندہ تعبیر نہ ہو سکے اور ان کی پوری زندگی ——— انفرادی بھی اور اجتماعی بھی ——— اسلام کی محبت کا دم بھرنے کے باوجود کفر سے معمور ہو۔

مذہب اور سیاست کی جدائی کا فلسفہ یوں تو ہر مذہب کے لیے سم قاتل ہے لیکن خاص طور پر اسلام جیسے انقلاب انگیز اور ہمہ گیر دین کے لیے یہ بربادی اور موت کا پیغام ہے۔ بعض سادہ لوح مسلمان اس فلسفے کے عواقب سے ناواقف ہونے کی بنا پر اس کے طلسم میں گرفتار ہو جاتے ہیں لیکن اگر وہ اس مسئلہ پر سنجیدگی سے غور کریں تو اس کی غیر معقولیت جلد ہی کھل کر اُن کے سامنے آ جائے گی۔ آپ اس حقیقت کو جاننے کے لیے سب سے پہلے کسی قوم کی اجتماعی زندگی میں ہیئت حاکمہ کے مقام کا تعین کریں۔ علم سیاست کی فنی پیچیدگیوں سے ہٹ کر اگر اس اہم شعبہ حیات پر غور کیا جائے تو اس حقیقت کا جاننا کچھ مشکل نہیں کہ نظام حکومت پر مکمل اختیار ہونے کی وجہ سے حیات انسانی کے سارے شعبوں کی تنظیم اور ان سب کے مابین معنوی ربط اور مقصدی ترتیب پیدا کرنے کا کام صرف شعبہ سیاست ہی کرتا ہے۔ اس شعبہ کی حیثیت اس ناظم کی سی ہے جو نہ صرف اپنے ماتحتوں پر بڑے وسیع اختیارات رکھتا ہے بلکہ ان کی تعلیم و تربیت کی ذمہ داری بھی براہ راست اسی پر عائد

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ہوتی ہے۔ وہ اُن کے افکار و نظریات کو جس سانچے میں چاہے ڈھالے، جن عادات کو اُن کے اندر راسخ کرنا چاہے راسخ کرے اور پھر ان کی قوتوں اور صلاحیتوں کو جن مقاصد کے حصول کی خاطر چاہے استعمال کرے کوئی اس کی راہ نہیں روک سکتا۔ ہمیں یہ تسلیم ہے کہ انسان ان ناظمین کے ہاتھوں میں اس طرح بے بس نہیں ہوتے جس طرح کہ ظروف ساز وں کے ہاتھ میں گندھی ہوئی مٹی کا گوندا۔ انسانوں کے فطری داعیات کے اختلاف کی وجہ سے اُن کے طرزِ عمل ایک دوسرے سے الگ، اور جدا ہوتے ہیں لیکن جس چیز کو لوگ اجتماعی ماحول کے نام سے موسوم کرتے ہیں وہ اُس نہج پر تیار ہوتا ہے جس پر کہ یہ ناظمین اُسے تیار کرنے کا عزم رکھتے ہوں۔

کسی قوم کی اجتماعی زندگی میں ہیئتِ حاکمہ بالکل وہی حیثیت رکھتی ہے جو کسی گاڑی کے لیے اس کے انجن کی ہوتی ہے۔ گاڑی کے مختلف ڈبوں کو کسی قوم کے معاشرتی اور معاشی ڈھانچوں سے تعبیر کر لیجیے اور ان میں بیٹھے ہوئے مسافروں کو معاشرے کے افراد پر قیاس کیجیے تو آپ کو حیاتِ اجتماعی کے سیاسی انجن کے سامنے ان کی بے بسی کا بخوبی اندازہ ہو سکے گا۔ جن ڈبوں کو اس انجن کے ساتھ جوڑ دیا گیا ہو اور جو مسافر ان ڈبوں میں بیٹھ گئے ہوں وہ اس بات کے لیے بالکل مجبور ہوتے ہوتے ہیں کہ اُسی سمت آگے بڑھیں جس سمت کے انجن انہیں کھینچے لیے جا رہا ہے۔ بعض لوگ اگر اس سمت کو غلط سمجھ رہے ہوں اور انہیں اس امر کا احساس ہو کہ اُن کی منزل مقصود دوسری سمت میں ہے تو ان کے لیے واحد راستہ یہی ہے کہ وہ انجن کو روکنے کی کوشش کریں اور پھر اُسے اُس سمت بڑھانے کے لیے ہاتھ پاؤں ماریں جس سمت وہ آگے بڑھنا چاہتے ہیں۔ انجن کو روکے بغیر اور اُسے صحیح سمت پر ڈالے بغیر غلط سمت کا واویلا کرنا دل کی بھڑاس نکالنے کے علاوہ ایک مقدس آرزو کا اظہار تو ضرور ہے لیکن میدان عمل میں اِس سے کوئی خاطر خواہ نتیجہ برآمد نہیں ہو سکتا۔

نیکی اور روحانیت کے بعض علمبردار بڑی معصومیت کے ساتھ سیاست کی وادی کو شیطان کی جولانگاہ قرار دیتے ہیں لیکن وہ یہ نہیں سمجھتے کہ اِس وادی پر اس مردود کا کوئی پیدائشی حق تو نہیں۔ یہ وادی اِس لیے اُس کی جولانگاہ بن گئی ہے کہ حق پرستوں نے از خود اس سرسبز و شاداب وادی کو اِس ظالم کی تگ و تاز کے لیے آزاد چھوڑ دیا ہے اور خود حیاتِ انسانی کے کونوں کھدروں میں دبک کر

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

بیٹھنے کو ہی دنیوی فلاح اور آخروی کامرانی کا مؤثر ذریعہ خیال کیا ہے۔ سیاست بلاشبہ ایک ناپاک کھیل بن گیا ہے لیکن اس کے ساتھ اس بات کو بھی اچھی طرح نگاہ میں رکھنا چاہیئے کہ اس گندے کھیل نے ہی پوری زندگی کے اندر تعفن پیدا کیا ہے۔ اب اگر کوئی فرد یا گروہ سیاست کے میدان کو چھوڑ کر زندگی کے دوسرے میدانوں میں خیر اور بھلائی کی عملداری دیکھنا چاہتا ہے تو وہ جب تک بُرائی کے اُس چشمے کو بند نہیں کرتا ہے جس کی وجہ سے بُرائی دوسرے میدانوں میں پھیل رہی اور پرورش پا رہی ہے، اُس وقت تک چند مخصوص میدانوں میں خیر اور بھلائی کو کس طرح فروغ دیا جا سکتا ہے اور اگر بالفرض پوری قوت کے ساتھ جدوجہد کر کے ایک ایسی جذباتی فضا قائم بھی کر لی جائے جس میں بُرائی وقتی طور پر دبتی نظر آئے تو اس دھارے کے رُخ کو مستقل طور پر کس طرح موڑا جا سکتا ہے جو سرکش طوفان کی صورت میں اس کی طرف یلغار کر رہا ہے۔ اِن وقتی اور جذباتی تدبیروں کا ایک ہی نتیجہ سامنے آئے گا کہ بُرائی بپھری ہوئی موجوں کی طرح زندگی کے بظاہر محفوظ و مامون شعبوں کو پوری شدت کے ساتھ اپنی لپیٹ میں لے لے گی۔ اجتماعی زندگی کوئی ایسی کشتی نہیں جو بالکل خاموش سطحِ آب پر تفریح کے انداز میں تیرتی رہے، یہ تو ایک سیلِ بلا کا نام ہے جس کی زد سے زندگی کا کوئی گوشہ بلکہ قلب و دماغ کا کوئی ریشہ بھی محفوظ نہیں رہ سکتا۔ النّاسُ علیٰ دینِ ملوکِھِم ایک جانی پہچانی حقیقت ہے جس پر پوری دنیا گواہ ہے لیکن بعض لوگ اس کے بارے میں اِس غلط فہمی کا شکار رہتے ہیں کہ عوام الناس از خود اپنے شوق سے سلاطین و ملوک کے طور طریقے اپناتے ہیں۔ تختِ شاہی پر براجمان افراد لوگوں کو اس بات کے لیے مجبور نہیں کرتے۔ ممکن ہے کسی دَور میں اس خوش فہمی بلکہ غلط فہمی کے لیے کوئی تھوڑی سی بہت وجہ موجود ہو مگر آج کے دَور میں تو اس انداز پر سوچنا غلط فہمی ہی نہیں بلکہ سراسر نافہمی ہے۔ آج کے ملوک و سلاطین بادشاہت کے نام پر نہیں بلکہ قائدینِ عوام کے نام پر خاص مقاصد کی تکمیل کی غرض سے تختِ اقتدار پر متمکن ہوتے ہیں اور پھر اس بات کے لیے کوشاں رہتے ہیں کہ ایک تو اپنے عہدِ اقتدار کو زیادہ سے زیادہ طول دیں اور دوسرے زندگی کے سارے شعبوں کی اس انداز سے تنظیمِ نو کریں جس سے اُن کے مخصوص مقاصد کی تکمیل ممکن ہو۔ انتہائی سادہ دل ہے وُہ فرد یا گروہ جو یہ سمجھتا ہے کہ اگر اقتدار سے تعرض نہ کیا جائے تو وہ تبلیغ و اصلاح کے کام کو بڑے اطمینان کے ساتھ سرانجام دے سکتا ہے۔ اقتدار تبلیغ و اصلاح کے کسی کام کو اس حد تک گوارا کرتا ہے اور بعض حالات

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ہیں اسے بنظرِ استحسان بھی دیکھتا ہے جب تک اقتدار کے اس مقدس کام میں اس کے لیے خطرہ کا کوئی پہلو نہ ہو لیکن جونہی وہ یہ محسوس کرتا ہے کہ تبلیغ وارشاد کا پروگرام اس کے پیشِ نظر مقاصد کی تکمیل کی راہ میں رکاوٹ بن سکتا ہے تو پھر وہ پوری قوت سے اس کا راستہ روکنے کی کوشش کرتا ہے۔

مغربی سامراج کے سامنے جتنی مسلم سلطنتیں بھی سرنگوں ہوئیں ان سب میں مسلمانوں کو یہی مژدہ جانفزا سنایا جاتا رہا کہ ہم تو صرف نظامِ حکومت کو بہتر بنانے کے لیے اس ملک پر قابض ہوئے ہیں۔ دین کے معاملے میں بندگانِ خدا بالکل آزاد ہیں بلکہ اس باب میں تو ہم ان کے ساتھ ہر طرح کا تعاون کرنے کے لیے بھی تیار ہیں بشرطیکہ وہ اقتدار کی طمع دل سے نکال دیں اور اس پر ہمارے قبضہ کو خوشدلی سے قبول کرلیں۔ مسلمانوں نے اس اعلان کو غنیمت سمجھا لیکن چند سال بھی گزرنے نہ پائے تھے کہ دین کی آزادی اور اس کے تحفظ کے قول دقرار کے باوجود ان کے عقائد بگڑنے لگے، ان کے افکار ونظریات میں انتشار پیدا ہونا شروع ہوا، ان کے اخلاق پر تباہی کے مہیب سائے چھانے لگے، ان کی معیشت میں حلال اجزاء گھٹنے لگے اور حرام کا عنصر بڑھنے لگا اور ان کی معاشرت سے وہ تمام خوبیاں رخصت ہونے لگیں جن کی وجہ سے اس کی پاکیزگی قائم تھی اور یہ سب کچھ مسلمانوں کے منشا کے علی الرغم ہوا۔ وہ اس صورتِ حال پر کبھی خوش نہ تھے بلکہ خون کے آنسو بہاتے تھے مگر جو لوگ اقتدار پر قابض تھے انہوں نے اس کی غیر معمولی قوت اور وسیع اختیارات سے فائدہ اٹھا کر ایک مسلمان کے لیے بحیثیتِ مسلمان زندہ رہنا بالکل ناممکن بنا دیا۔ اللہ رب العزت کا مخلص بندہ اپنی اولاد کو اللہ اور اس کے رسولؐ کی تعلیمات پر عمل پیرا دیکھنا چاہتا تھا لیکن اس نے اپنے جگر پاروں کو خدا اور اس کے رسولؐ کے باغیوں کی صف میں پایا، وہ معاشی میدان میں اکل حلال کے لیے جدوجہد کرنا چاہتا تھا لیکن اسے اپنا پیٹ بھرنے کے لیے لقمۂ حرام کے سوا کوئی دوسری چیز نظر نہ آئی، وہ زندگی کے ہر شعبے میں حق وصداقت کی راہ پر گامزن ہونے کا متمنی تھا لیکن غیر اسلامی نظام کے تسلط کی وجہ سے وہ قدم قدم پر حق وصداقت کا خون کرنے پر مجبور ہوا اور تضاد کی اس ہولناک فضا نے نہ صرف اس کی ساری قوتوں اور صلاحیتوں کو برباد کر کے رکھ دیا بلکہ اس کے سینے میں دینی آرزوؤں کے جو چراغ روشن تھے انہیں بھی گل کر دیا۔

امتِ مسلمہ کے بعض سادہ لوح بھی خواہ بڑے جوش اور جذبۂ اخلاص سے کہتے ہیں (باقی بر صفحہ ۴۸)

© rasailojaraid.com